ہاتھوں میں دے کے ہاتھ، ابھی کل کی بات ہے
وہ چل رہے تھے ساتھ ، ابھی کل کی بات ہے

والدہ ماجدہ، والد ماجد، بہنوں، ماموں، چچا اور خاندان کے تمام افراد شدید صدمے اور بحرِ غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ غالبؔ نے سچ کہا تھا: ''نیند کیوں رات بھر نہیں آتی''

ذوالکفل کے دوست اور جامعہ ام القریٰ کے استاد محمد سلیم لمحہ بہ لمحہ احوال سے مطلع فرماتے رہے۔ انھوں نے بتایا کہ ''اب ہم بخاری صاحب کے جسدِ خاکی کو حرمِ کعبہ میں لے آئے ہیں اور تہجد کی اذان ابھی ہوئی ہے۔'' پھر نمازِ فجر کے بعد اُن کی نمازِ جنازہ فون پر سنائی اور بتایا کہ اس وقت بیس پچیس لاکھ فرزندانِ اسلام بخاری صاحب کی نمازِ جنازہ ادا کررہے ہیں۔ اب ہم بخاری صاحب کو ''جنت المَعْلٰی'' کے عظیم تاریخی قبرستان لے کر جارہے ہیں۔ پھر خطیبِ حرم حضرت مولانا محمد مکی حجازی دامت برکاتہم گویا ہوئے کہ:

''ہم نے اپنے عزیز سید ذوالکفل بخاری کو قبر میں سلا دیا ہے۔ وہ ایک باکرامت صالح نوجوان تھا۔ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قدمین شریفین میں احاطۂ بنی ہاشم میں ہمیشہ کے لیے سوگیا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنا نواسہ اماں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں ڈال دیا ہے۔ جنت المَعْلٰی میں امیر شریعت نے اپنا مستقل نمائندہ بھیج دیا ہے۔ ہم ذوالکفل کی قبر کے سرہانے کھڑے دعا کررہے ہیں۔ عزیزم کفیل! تم بھی دعا میں شریک ہوجاؤ''

حضرت مکی مدظلہ کے الفاظ اور دعا نے بہت حوصلہ، صبر اور سکون دیا۔ جھلملاتے ہوئے اشکوں کی لڑی ٹوٹ گئی، تاروں بھری رات نے دم توڑ دیا۔ شہادت کی موت، آخری وقت کلمۂ شہادت کی تلاوت، حرم میں نمازِ جنازہ، جنت المَعْلٰی میں تدفین، ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قدمین اور احاطۂ بنی ہاشم کا مسکن و مدفن۔ لعلِ بنی ہاشم، دارِ بنی ہاشم سے اٹھا اور چالیس برس کی مسافت طے کرکے احاطۂ بنی ہاشم میں ابدی نیند سوگیا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

''کیا دوانے نے موت پائی ہے''

اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اُن کی مغفرت، درجات بلند اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے اور تعزیت کرنے والے حضرات کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا عبدالجلیل رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ:

خانقاہ رائے پور کے مسند نشیں حضرت مولانا عبدالجلیل رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تقریباً سو برس کی طویل اور قابل رشک وفخر عمر پاکر 3/ذوالحجہ 1430ھ مطابق 21/نومبر 2009ء بروز ہفتہ ایک بجے دوپہر انتقال فرماگئے۔ مولانا عبدالجلیل، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے بھتیجے اور خلیفہ مجاز تھے۔ انھوں نے تمام دینی تعلیم مظاہر العلوم سہارن پور میں حاصل کی اور دورانِ تعلیم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے مشہور ''کچے گھر'' میں رہائش کی۔ حضرت مولانا عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت میں دو عظیم ہستیوں حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث نے اہم کردار ادا کیا۔ حضرت مولانا عبدالجلیل رحمہ اللہ کی صحبت سے ہزاروں مسلمانوں نے علمی وروحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت حاجی عبدالوہاب مدظلہ نے پڑھائی۔ خانقاہ رائے پور ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں اپنے چچا اور مرشد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔ (آمین)

پاکستان کی سیاسی قیادت.....ایں ہمہ آوردۂ تست

پروفیسر خالد شبیر احمد

اگر ہم پاکستان کی سیاسی قیادت کا تاریخی حوالے سے مطالعہ کریں تو جو بات واضح طور پر ابھر کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ پاکستان کی سیاسی قیادت ہر زاویے، ہر حوالے اور ہر پہلو سے انتہائی غیر معیاری ثابت ہوئی ہے اور اس کے غیر معیاری ہونے کے اسباب ویسے تو کئی ہیں لیکن بنیادی سبب اور بنیادی وجہ اقتدار کی ہوس ہے جس نے اس قیادت کے دلوں سے خدا کا خوف ختم کیے رکھا۔ حب الوطنی، کردار و اعمال کی بلندی تو رہی ایک طرف اس کا تصور بھی اس قیادت کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں نہ موجود رہا اور نہ ہی اب ہے۔ ہمارے ملک کی سیاسی قیادت، ذاتی مفادات، ذاتی خواہشات، ذاتی شان و شوکت کی اسیر رہی اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس میں تحمل، حکمت، دانائی، بردباری، اتفاق و اتحاد جیسی خوبیوں کا کوئی تصور تک موجود نہیں۔ نہ کوئی مؤقف، نہ نصب العین، نہ منزل، نہ اعتماد اور نہ ہی کردار و اعمال کا کہیں پرتو ہی ان میں نظر آیا۔ بلکہ اس کے برعکس ذاتی مفادات کے لیے قومی و ملکی مفاد کو مجروح کرنے کی روش، اس سیاسی قیادت کی اب پہچان بن چکی ہے۔ ملکی مفادات سے غداری جس کا آغاز شروع سے ہی ہماری سیاسی قیادت کا طرۂ امتیاز رہا۔ اب اس سیاسی قیادت کی مقتضائے طبیعت بن چکی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ ملکی حالات ان کی اس انتہائی قابل مذمت روش کا نقطۂ عروج ہے تو اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے۔ ہماری سیاسی قیادت نے ہر نازک وقت میں انتہائی غلط فیصلے کیے جس سے ملک کو نقصان پہنچا اور اب بھی ہماری سیاسی قیادت وہی کچھ کر رہی ہے جو یہ سیاسی قیادت قیامِ پاکستان سے کرتی چلی آئی ہے۔

کہنے کو تو ہمارے سیاست دان اپنے دفاع میں یہ کہتے ہیں کہ فوجی مداخلت نے سرے سے ہمیں جمہوریت کی راہ پر چلنے ہی نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے ملک میں جمہوری اقدار پروان نہ چڑھ سکیں، لہٰذا ملک کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی خراب حالات کی ذمہ دار ملک کی سیاسی قیادت نہیں بلکہ فوجی مداخلت ہے، لیکن اگر غیر جانبداری سے اس جواب کا تجزیہ کیا جائے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ سیاسی قیادت کا یہ جواب حقیقت کے آئینے میں ہمیں کہیں نظر ہی نہیں آتا کہ فوجی مداخلت بھی تو ان کی غیر ذمہ دار سیاست کا نتیجہ ہی ہے۔ 1947ء سے لے کر 1958ء تک جب پہلا مارشل لاء لگا۔ ہماری سیاسی قیادت کا پہلا کارنامہ تو یہ تھا کہ ان نو دس برسوں میں اس نے اپنے سات وزیراعظم تبدیل کیے۔ ان نو دس

برسوں میں تو کہیں پر ہمیں فوجی مداخلت نظر نہیں آتی، پھر یہ آئے دن وزراء اعظم کی تبدیلیاں کیوں اور کیسے ہوئیں اور کیا یہ تبدیلیاں ملک کے مفاد میں تھیں؟ اس کے برعکس ان تبدیلیوں سے ملک کو نقصان ہوا۔ اس کا فیصلہ قارئین خود کریں۔ علم سیاسیات کے مطابق تو جس ملک میں اس طرح جلدی تبدیلیاں ہوں، وہاں پر سیاسی استحکام قائم نہیں رہ سکتا اور جہاں پر سیاسی استحکام نہیں وہاں پر زندگی کے کسی بھی شعبے میں ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلا مارشل لاء کس کے حکم سے لگایا گیا۔ مارشل لاء لگانے والا کوئی فوجی جرنیل تھا کہ ملک کا سب سے بڑا سیاست دان جو 1956ء کے آئین کے مطابق ملک کا صدر بنا۔ جس کی سیاسی بے راہروی اور شرانگیزی اب ضرب المثل بن چکی ہے جو میر جعفر کی نسل کا سپوت تھا۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ قوم ، ننگِ دیں ، ننگِ وطن

جنرل ایوب خان تو اس مارشل لاء کے نتیجے میں آیا۔ پھر آگے چلیے ایوب خان کے خلاف ہمارے سیاست دانوں نے تحریک چلائی۔ ایک گھمسان کا رَن پڑا۔ پورا ملک ایوب کتا، ایوب کتا کی صداؤں سے گونج اٹھا۔ گول میز کانفرنس سیاست دانوں کا نقطۂ عروج تھا کہ جس کے بارے میں جنرل ایوب نے کہا کہ سیاست دان جس کو بھی گول میز کانفرنس میں بلائیں، میں اُس کے ساتھ بات کرنے کو تیار ہوں۔ یاد رہے، یہ وہی ایوب خان تھا جو کہتا تھا کہ کہاں ہے اپوزیشن اور میں کس سے بات کروں۔ پھر ایک اور بات کہ جنرل ایوب خان کا ساتھ دینے والے کون تھے۔ کنونشن لیگ میں کون شامل ہوئے۔ بھگوڑے ناظم الدین کو کنونشن لیگ کا صدر کن لوگوں نے بنایا اور یہ سب لوگ ملک کے سیاست دان تھے یا پھر فوجی۔

گول میز کانفرنس میں بھی تو سیاست دانوں نے ہی مجیب الرحمٰن کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ جبکہ ایوب خان کہتا رہا کہ مجیب الرحمٰن کو رہا کرنے کا مطالبہ آپ حضرات نہ کریں۔ اس سے ملک کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن سیاست دان نہ مانے اور پھر مجیب الرحمٰن رہا ہوا۔ جس کے ساتھ ہی پورے مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی کی شہہ پر آگ اور خون کی ہولی شروع ہوگئی۔ جو بعد میں مشرقی پاکستان میں خطرناک حالات کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ پھر ایوب خان مستعفی ہو گئے تو اقتدار ایک دوسرے جرنیل کو دے دیا گیا۔ آپ بتائیں اس زیادتی کے خلاف کسی سیاست دان نے کسی قسم کا کوئی اعتراض کیا یا پھر احتجاج؟ اور سیاست دان گھر سے جمہوریت بحال کرانے گئے اور ایک دوسرا مارشل لاء لگوا کر واپس اپنے گھروں میں آ کر بیٹھ گئے۔ سیاست دانوں کی وہ طاقت جو جنرل ایوب خان کو برطرف کر سکتی تھی وہ طاقت جنرل یحییٰ خان کی قیادت کو تسلیم کرنے پر راضی ہو کر گھروں کو واپس کیوں آ گئی۔ کیوں نہ یہ مطالبہ کیا گیا کہ کسی غیر فوجی قائد کے ہاتھ میں انتخابات تک اقتدار منتقل کیا جائے۔ کسی سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس یا پھر کسی بھی ایسے غیر سیاسی فرد کو عارضی طور پر اقتدار سونپا

جاسکتا تھا، لیکن ہمارے سیاست دانوں نے اس کی اہمیت کو سرے سے محسوس ہی نہ کیا اور نئے انتخابات کے وعدے پر خوش ہوکر واپس اپنے اپنے گھروں میں آ گئے۔

پھر نئے انتخابات سے جنرل یحییٰ کا لیگل فریم آرڈر بھی سیاست دانوں نے ہی تسلیم کیا جس کے تحت ''ون مین ون ووٹ'' کو عنوان بنایا گیا تھا۔ جس کا نتیجہ دوسرے لفظوں میں ہمیشہ کے لیے پاکستان پر بنگالیوں کی حکومت تھا۔ ''پیرگی'' کا اصول جس کے مطابق 1956ء کا آئین بنایا گیا تھا اُسے ختم کر دیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے ساتھ جو مغربی پاکستان کا صوبہ گیا تھا اُسے بھی ختم کیا گیا۔ اس پر کسی قسم کا کوئی احتجاج کسی سیاست دان کی طرف سے سامنے نہ آیا۔ اور پھر تمام سیاسی جماعتیں اس لیگل فریم آرڈر کو تسلیم کرتے ہوئے انتخابات کی تیاریوں میں مصروف ہوگئیں۔

1956ء کے آئین کی منسوخی، مغربی پاکستان کے صوبے کو ختم کرنا، ''ون مین ون ووٹ'' کے فارمولے کو ملک کے تمام سیاست دانوں کی طرف سے تسلیم کر لینا وہ ''ٹرننگ پوائنٹ'' ہے جس پر آج بھی ملک کے عوام یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اسی غلطی کے نتیجے میں ہی مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوا۔ یحییٰ خان جیسی شخصیت کی ہاں میں ہاں ملائی گئی۔ اُس کی تعریف وستائش ہمارے سیاست دانوں نے کی بلکہ ایک دینی جماعت نے تو اُس کو خوشامد میں امیر المؤمنین تک کہہ دیا۔ اسے سیاست دانوں کی صرف نااہلی ہی نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ ایک قومی جرم ہے اور جواب قیامت تک کے لیے ہمارے سیاست دانوں کے نام منسوب ہوگیا ہے جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

پھر چھے نکات کا مسئلہ بھی تو ہمارے سیاست دانوں کی ذہنی پیداوار تھی۔ جس پر ملک کی دو بڑی جماعتیں تو تکار کرتی نظر آئیں۔ حالانکہ ''لیگل فریم آرڈر'' کے بعد چھے نکات کا فارمولہ اپنی موت آپ مرگیا تھا۔ جب بنگالیوں کی حکومت کو ''لیگل فریم آرڈر'' کے تحت تسلیم کر لیا گیا تو پھر مشرقی پاکستان کے بنگالی اپنی اکثریت کے بل بوتے پر جو چاہتے کرنے کے مجاز تھے۔ اس لیے ہمارے خیال کے مطابق چھے نکات پر جو اختلاف پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کے درمیان خواہ مخواہ پیدا کیا گیا۔ وہ عوام کو محض دھوکا دینے کے مترادف تھا۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

پھر انتخابات میں جو نتیجہ سامنے آیا، وہ بھی اُس بین الاقوامی سازش کا ذریعہ بنی کہ جس جماعت کی اکثریت مغربی پاکستان سے انتخابات کے ذریعے آگے آئی، اُس کا کوئی نمائندہ مشرقی پاکستان میں نہ تو کھڑا ہوا اور نہ کامیاب جبکہ مشرقی پاکستان سے انتخابات میں اکثریت حاصل کرنے والی عوامی لیگ کا کوئی نمائندہ مغربی پاکستان سے کامیاب نہ ہوسکا۔ کیا یہ محض اتفاق تھا ہرگز ہرگز نہیں۔ یہ بھی اُس بین الاقوامی سازش کا ہی ایک حصہ تھا جو پاکستان کو دولخت کرنے کے لیے کی گئی اور ہمارے ملک کے سیاست دان اس میں برابر کے شریک تھے۔ تبھی تو یہ کہا گیا تھا کہ میں مغربی پاکستان کا نمائندہ ہوں اور تم مشرقی پاکستان کے نمائندہ اور میری مشاورت کے بغیر مشرقی پاکستان کا نمائندہ ملک کا آئین نہیں بنا

سکتا، حالانکہ اُس کی مجموعی طور پر قومی اسمبلی میں اکثریت تھی اور یہی اختلاف رفتہ رفتہ ایسی نازک صورت اختیار کر گیا کہ سازش کرنے والی بین الاقوامی طاقتوں کے لیے مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کی راہیں صاف ہوگئیں۔ جہاں پر ہمارے سیاست دان یہ کہتے ہیں کہ علیحدگی کی ذمہ داری سیاست دانوں پر عائد نہیں ہوتی بلکہ جنرل یحییٰ پر عائد ہوتی ہے جو ایک فوجی جرنیل تھا۔ جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اُسے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تو سیاست دانوں نے ہی تسلیم کیا۔ پھر اُس کا ''لیگل فریم آرڈر'' بھی تو سیاست دانوں نے تسلیم کرتے ہوئے اس کی نگرانی میں قومی انتخابات میں شرکت کی۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ علیحدگی کی ہر کوشش میں ملک کے سیاست دانوں نے ایسا رویہ اختیار کیے رکھا جس کے بعد علیحدگی کے حالات دن بدن تقویت حاصل کرتے چلے گئے۔ لہٰذا اس علیحدگی کی ذمہ داری محض جنرل یحییٰ پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ بلکہ سیاست دانوں کے غلط اقدامات نے بھی اس سانحہ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جب ایک مرتبہ پھر اقتدار سیاست دانوں کے سپرد ہوا تو پانچ سال کا عرصہ بخیریت گزر گیا۔ 1977ء میں انتخابات پھر دو اہم سیاسی گروہوں کے درمیاں شدید اختلافات کا باعث بن گئے۔ مرکزی انتخابات کے بعد دوسرے روز جبکہ صوبائی انتخابات ہونے تھے۔ اپوزیشن جماعتوں کے اتحاد ''قومی اتحاد'' نے الیکشن میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف بائیکاٹ کیا اور یہ بائیکاٹ رفتہ رفتہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احتجاج بعد میں تحریک نظام مصطفیٰ کی شکل میں ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ برسر اقتدار جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے سامنے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ مذاکرات کی میز پر اپوزیشن سے اس شدید اور انتہائی تکلیف دہ کھچاؤ جس نے پورے ملک کے شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ گفتگو کر کے اس کا کوئی حل تلاش کرے۔ یہ مذاکرات کہنے کو تو کامیاب رہے لیکن اس کے باوجود دونوں سیاسی جماعتوں کے درمیان کھچاؤ اور تناؤ کم نہ ہوا بلکہ اور شدید نوعیت اختیار کر گیا۔ کیونکہ حکمران جماعت نے مذاکرات کے دوران کیے گئے فیصلوں کی دستاویز پر دستخط نہ کیے۔ وزیراعظم صاحب دستخط کرنے کی بجائے بیرونی دورے پر چلے گئے اور پھر وہ کچھ ہوا جو ہونا تھا کہ ملک میں سول وار کی صورت پیدا ہوگئی۔ دو ڈھائی ہزار آدمی قتل ہوگئے۔ جس کے بعد ملک میں ایک عجیب سی کیفیت میں لوگ مبتلا ہوگئے۔ ہر شہر کے در و دیوار سے خوف جھلکتا نظر آتا تھا۔ اسلحہ بند جلوس سڑکوں پر دندناتے پھرتے تھے۔ عام لوگوں کا گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہوگیا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اور دماغوں میں بار بار یہ خیال ابھرتا تھا کہ ایسے حالات میں فوج کیوں آگے نہیں آ رہی۔ بڑے بڑے لوگوں نے فوج کو خطوط لکھے کہ وہ قوم کو اس عذاب سے نجات دلائے۔ فوج کو ان سیاست دانوں سے جان چھڑانے کے لیے آگے آنا چاہیے۔ خود فوج بھی یہ سوچ رہی تھی کہ اب جبکہ ملک کی سالمیت کو وہی خطرہ درپیش ہے جو کہ بیرونی جارحیت سے بھی شدید نوعیت کا ہوتا چلا جا رہا ہے تو پھر سوائے مارشل لاء کے اور کیا چارہ کار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء لگا کر عنان حکومت سنبھال لی۔

یہاں پر یہ حقیقت واضح ہے کہ ضیاء الحق کا مارشل لاء ملک کے سیاست دانوں نے اُسے مجبور کر کے خود لگوایا۔ اقتدار کی جنگ لوگوں میں مسلح جنگ میں تبدیل ہوگئی۔ تو فوج کو مداخلت کرنا پڑی۔ جس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ یہ وہ واحد مارشل لاء ہے جس کے نفاذ پر لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ مٹھائیاں تقسیم ہوئیں اور ملک کے سیاست دانوں سے قوم اور ملک کی جان چھوٹی اس کے بعد یہ بحث بے معنی ہو کے رہ جاتی ہے کہ دورِ ضیاء سے ملک کو فائدہ حاصل ہوا کہ نقصان اگر یہ جان بھی لیا جائے کہ ملک کو نقصان ہوا تو پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس نقصان کے ذمہ دار بھی ہمارے ملک کے سیاست دان ہی تھے۔ جنہوں نے ہوسِ اقتدار کے لیے ملک اور قوم دونوں کو داؤ پر لگا دیا اور ذرہ نہ سوچا کہ اس تناؤ اور الجھاؤ کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

ضیاء الحق نے پھر غالباً 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کرائے سیاسی جماعتوں نے اس کا بائیکاٹ کیا پھر آٹھویں ترمیم کو آئین کا حصہ بنانے کی بنیاد پر ایک نئی حکومت انتخابات کے بعد محمد خان جونیجو کی قیادت میں آگے آئی۔ 58/2B اسی آٹھویں ترمیم کا حصہ تھی جس کے تحت صدر کو قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیاں توڑنے کا اختیار مل گیا۔ یہ اختیار بھی اسی نئے آئین کا حصہ بنایا گیا تھا کہ ملک کے سیاست دانوں کے سر پر یہ تلوار لٹکتی رہے تاکہ دوبارہ وہ صورت حال پیدا نہ ہو جو 1977ء میں ہوئی اور جس کی وجہ سے ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

پھر کیا ہوا 58/2B اگرچہ فوجی جرنیل کی طرف سے آئین کا حصہ بنی لیکن اس کا استعمال دو مرتبہ ملک کے سیاست دانوں کے ذریعے ہی ہوا اور لطف کی بات یہ ہے کہ سیاست دانوں کے خلاف ہی پہلی مرتبہ صدر اسحاق نے اسے میاں نواز شریف کی حکومت کے خلاف استعمال کیا۔ تو دوسری مرتبہ صدر فاروق لغاری نے اپنی ہی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے خلاف استعمال کیا۔ یہاں پر یہ بات میری اس دلیل کی وضاحت میں پیش کی جا سکتی ہے کہ ملک کے سیاست دانوں کا طبقہ ہی وہ طبقہ ہے جس نے نازک اور مشکل وقت میں غلط فیصلے کیے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا۔ بعض لوگ اس بات کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ ملکی سیاست میں ISI کا ہمیشہ عمل دخل رہا ہے۔ اور یہ ساری کارستانی اسی فوجی ادارے کی ہے۔ لیکن یہاں پر بھی جواباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے، کہ ہمارے ملک کے سیاست دان فوجی ادارے کے آلہ کار بنتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے سیاست دان، کردار و عمل کے حوالے سے خالی اور عاری ہیں۔ نالائق اور نااہل ثابت ہوئے ہیں۔ آخر ایسا بھارت میں کیوں نہیں ہوتا۔ یہ کارروائی بار بار پاکستان میں ہی کیوں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہمارے سیاست دان انتہائی غیر معیاری اور انتہائی نااہل ہیں۔ اگر پرنسپل نالائق ہو تو پھر کالج کا ہیڈ کلرک ہی عملی طور پر پرنسپلی کرتا ہے۔ اور پرنسپل محض دستخط کرنے والی مشین بن کے رہ جاتا ہے۔

جنرل پرویز مشرف کا مارشل لا تو بالکل ایک دوسری نوعیت کا مارشل لا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بات بڑے دھڑلے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ مارشل لا بھی سقوط ڈھاکہ کی طرح ایک بین الاقوامی سازش تھا جس سازش میں